مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب

سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی

نواب صدیق حسن خان اور حضرت مسیح موعود کی دعا

جب حضرت مسیح موعود نے براہین احمدیہ کی تصنیف کا آغاز فرمایا تو اس کی طباعت کے لئے مالی اعانت درکار تھی۔ اس غرض کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود نے مختلف امراء اور رؤساء کو خطوط لکھے اور ان میں سے اکثر نے سرد مہری کا رویہ دکھایا۔ جن لوگوں کو خطوط لکھے گئے تھے ان میں سے ایک بھوپال کے نواب صدیق حسن خان صاحب بھی تھے۔ پہلے تو ان کی طرف سے یہ جواب آیا کہ کتاب شائع ہونے پر اس کے پندرہ بیس نسخے خرید لئے جائیں گے۔ لیکن جب 1883ء میں کتاب ان کو بھجوائی گئی تو انہوں نے کتاب چاک کر کے اس جواب کے ساتھ بھجوا دی، ''دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا انہیں کچھ مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے۔ اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ امید نہ رکھیں''۔

حضرت مسیح موعود کے خادم حافظ حامد علی صاحب کا بیان ہے کہ جب کتاب واپس آئی تو اس وقت حضرت مسیح موعود اپنے مکان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر کہ کتاب کو خراب کر کے واپس کیا گیا ہے آپ کا چہرہ مبارک متغیر اور غصہ سے سرخ ہو گیا۔ عمر بھر حضور کو ایسے غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا گیا۔ اس حالت میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے، ''اچھا تم اپنی گورنمنٹ کو خوش کر لو''۔

یہ واقعہ 1883ء کا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے براہین احمدیہ جلد چہارم میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ اس خاکسار نے ایک نواب صاحب کی خدمت میں کہ جو بہت پارسا طبع اور متقی اور فضائل علمیہ سے متصف اور قال اللہ اور قال الرسول سے بدرجہ غایت خبر رکھتے ہیں کتاب براہین احمدیہ کی اعانت کے لئے لکھا تھا۔ سو اگر نواب صاحب ممدوح اس کے جواب میں یہ لکھتے کہ ہماری رائے میں کتاب ایسی عمدہ نہیں کہ جس کے لئے کچھ مدد کی جائے تو کچھ جائے افسوس نہ تھا۔ مگر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ لکھا کہ پندرہ بیس کتابیں ضرور خریدیں گے اور پھر دوبارہ یاددہانی پر یہ جواب آیا کہ دینی مباحثات کی کتابوں کو خریدنا یا ان میں مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ امید نہ رکھیں۔ سو ہم بھی نواب صاحب کو امید گاہ نہیں بناتے بلکہ امید گاہ خداوند کریم ہی ہے اور وہی کافی ہے (خدا کرے گورنمنٹ انگریزی نواب صاحب پر بہت راضی رہے) لیکن ہم باادب تمام عرض کرتے ہیں کہ ایسے ایسے خیالات میں گورنمنٹ کی ہجو ملیح ہے''۔ (روحانی خزائن جلد 1 ص 320)

اس کے بعد حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں:

''......لیکن سخت بدنصیب وہ گورنمنٹ ہے جس کے ماتحت سب منافق ہی ہوں کہ جو گھر میں کچھ کہیں اور روبرو کچھ کہیں۔ سو یقیناً سمجھنا چاہئے کہ لوگوں کا یکرنگی میں ترقی کرتے جانا اور گورنمنٹ کو ایک محسن دوست سمجھ کر بے تکلف اس کے ساتھ پیش آنا یہی خوش قسمتی گورنمنٹ انگریزی کی ہے......''۔

جیسا کہ ہم بیان کریں گے کہ جس گورنمنٹ کو خوش کرنے کے لئے نواب صدیق حسن خان صاحب نے "براہین احمدیہ" کو چاک کر کے بھیجا تھا، وہ اسی گورنمنٹ کے زیر عتاب آ گئے اور ان سے ''نواب'' کا لقب بھی چھین لیا گیا۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں:۔

''...... اور نواب ہونے سے معطل اور بڑی انکسار سے میری طرف خط لکھا کہ میں ان کے لئے دعا کروں تب میں نے اس کو قابل رحم سمجھ کر اس کے لئے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی۔ میں نے یہ اطلاع بذریعہ خط ان کو دیدی اور کئی اور لوگوں کو بھی جو اُن دنوں میں مخالف تھے یہی اطلاع دی۔ چنانچہ منجملہ ان کے حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر حال پنشنر ساکن امرتسر اور مولوی محمد حسین بٹالوی ہیں۔ آخر کچھ مدت کے بعد ان کی نسبت گورنمنٹ کا حکم آ گیا کہ صدیق حسن خان کی نسبت نواب کا خطاب قائم رہے گا''۔ (روحانی خزائن جلد 22 ص 470)

پھر اسی صفحہ کے حاشیہ میں حضرت اقدس مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں:

''نواب صدیق حسن خان پر جو یہ ابتلا پیش آیا وہ بھی میری ایک پیشگوئی کا نتیجہ ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے انہوں نے میری کتاب براہین احمدیہ کو چاک کر کے واپس بھیج دیا تھا۔ میں نے دعا کی تھی کہ ان کی عزت چاک کر دی جائے سو ایسا ہی ظہور میں آیا''۔

اس مضمون میں ہم جائزہ لیں گے کہ نواب صدیق حسن خان صاحب کون تھے۔ وہ بھوپال کے حکمران خاندان میں کس طرح شامل ہوئے؟ جب انہوں نے ''براہین احمدیہ'' کو چاک کر کے واپس کیا تو اس کا پس منظر کیا تھا؟ پھر حضرت مسیح موعود کی دعا کے نتیجہ میں وہ کن مشکلات میں مبتلاء ہوئے اور اس سارے قصہ کا انجام کیا ہوا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب کا پس منظر

سید صدیق حسن صاحب کے آباؤ اجداد شیعہ تھے اور بخارا سے برصغیر آئے تھے۔ ان کے دادا تک خاندان کے پاس کچھ جائیداد تھی جس سے گزر اوقات معقول طریق پر ہو جاتی تھی۔ ان کے والد سید اولاد حسن بھی عالم تھے لیکن انہوں نے شیعہ مسلک ترک کیا اور سید ولی اللہ شاہ صاحب اور سید احمد شہید کے پیروکار بن گئے اور اسی بناء پر انہوں نے والد کے ترکہ سے حصہ نہیں لیا۔ اس پس منظر میں صدیق حسن خان صاحب 14/اکتوبر 1832ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابھی صدیق حسن صاحب 5 سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ان کے گھرانے کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنے والد کے دوستوں کی مدد سے تعلیم حاصل کی اور 22 سال کی عمر میں عطر فروخت کرتے ہوئے بھوپال آئے۔ یہاں پر انہیں ایک مدرسہ میں پڑھانے کی ملازمت مل گئی اور اس کے ساتھ انہوں نے ایک مسجد میں وعظ بھی دینا شروع کیا۔ 1857ء میں انہیں بھوپال سے ریاست بدر کر دیا گیا۔ ان کے مداح کہتے ایک حنفی مسلک کے مولوی صاحب سے لڑائی کی وجہ سے یہ سزا دی گئی تھی اور ان پر تنقید کرنے والے کہتے ہیں کہ اس وقت بھوپال کی فرمانروا سکندر بیگم نے ان کی جاہ طلب شخصیت کی وجہ سے انہیں یہ سزا دی تھی۔

بہرحال اس مرحلہ پر بھوپال کے وزیر اعظم منشی جمال الدین صاحب نے سفارش کر کے سکندر بیگم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ صدیق حسن خان صاحب کو بھوپال واپس آنے کی اجازت دے دیں۔ جمال الدین صاحب نے صدیق حسن خان صاحب کو اپنے دفتر میں ملازمت پر رکھ لیا۔ 1860ء میں صدیق حسن خان صاحب نے جمال الدین صاحب کی بڑی دختر ذکیہ سے جو کہ بیوہ ہو چکی تھیں شادی کر لی۔ ذکیہ عمر میں صدیق حسن خان صاحب سے 11 سال بڑی تھیں۔ اس شادی سے تین بچے بھی ہوئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جمال الدین صاحب ایک نہایت فرض شناس افسر اور نیک دل انسان تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول جب تعلیم کے سلسلہ میں بھوپال تشریف لے گئے تو آپ کا قیام جمال الدین صاحب کے ہاں رہا اور جمال الدین صاحب کا حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے گہری محبت کا تعلق تھا۔

(ملاحظہ کیجئے ''حیات نور'' مصنفہ عبدالقادر صاحب ص 40-46)

بھوپال میں ملازمت کا آغاز اور شاہجہاں بیگم سے شادی

بھوپال کی حکمران سکندر بیگم صاحبہ نے صدیق حسن خان صاحب کے سپرد بھوپال کی تاریخ لکھنے کا کام بھی کیا۔ اس دوران صدیق حسن خان صاحب کے سپرد یہ کام بھی کیا گیا کہ وہ تخت کی وارث شاہجہاں بیگم کو پڑھائیں۔ شاہجہاں بیگم بھوپال کی حکمران سکندر بیگم کی واحد اولاد تھیں۔ جب 1868ء میں سکندر بیگم کا انتقال ہو گیا تو شاہجہاں بیگم کو بھوپال کا حکمران بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں جو دربار منعقد ہوا، اس میں وائسرائے ہند کے نمائندے Colonel Meade بھی شامل تھے۔ اس موقع پر شاہجہان بیگم نے اپنی تقریر میں خدا اور برطانوی حکومت کا شکریہ بھی ادا کیا۔ شاہجہان بیگم کے برسر اقتدار آنے کے بعد صدیق حسن خان صاحب کے اثر و رسوخ میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ شاہجہان بیگم کے پہلے خاوند کا انتقال ہو چکا تھا اور اس شادی سے ان کی ایک بیٹی سلطان جہاں بیگم بھی تھی۔ مئی 1871ء میں شاہجہان بیگم اور صدیق حسن خان صاحب کی شادی ہو گئی۔ اس شادی کے متعلق دو مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک روایت تو وہ ہے جو کہ شاہجہاں بیگم نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں بیان کی ہے کہ جب ملکہ وکٹوریہ کے دوسرے بیٹے، ڈیوک آف ایڈنبرا ہندوستان آئے تو اس موقع پر وہ کلکتہ گئیں۔ اس وقت ان کے مطابق بھوپال میں برطانوی ایجنٹ کرنل تھامپسن (Thompson) نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اب دوسری شادی کر لیں۔ تاکہ ان کے خاوند امور حکومت میں ان کی مدد کریں اور وسطی ہندوستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ Colonel John Meade نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا۔ شاہجہاں بیگم نے اس بارے اجازت کے لئے باقاعدہ گورنر جنرل ہندوستان کو خط لکھا۔ 8 مئی 1871ء کو سرکاری طور پر جواب موصول ہو گیا کہ گورنر جنرل کو اُن کی دوسری شادی پر خوشی ہو گی۔ وہ اپنی ریاست کے اعلیٰ عہدیداروں کے مشورے سے مناسب رفیق حیات کا انتخاب کر سکتی ہیں۔ چنانچہ اسی ماہ میں انہوں نے صدیق حسن خان صاحب کا انتخاب کیا اور ان کی شادی ہو گئی۔ اس وقت صدیق حسن خان صاحب کی پہلی بیوی بھی زندہ تھیں۔

ظاہر ہے کہ شادی کے بعد فوراً بعد بھوپال ریاست میں صدیق حسن خان صاحب کے عہدے میں اضافہ کیا گیا۔ انہیں ریاست کے مدارالمہام (وزیر اعظم) کے بعد دوسرے درجہ کے وزیر کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ شاہجہاں بیگم اپنی خودنوشت میں لکھتی ہیں کہ اس موقع پر صدیق حسن خان صاحب نے شکریہ ادا کرنے کے لئے دربار میں ایک تقریر بھی کی اور اس میں کہا کہ وہ شاہ جہاں بیگم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ شاہجہاں بیگم نے جب مجھے میر منشی بنایا تو گویا مجھے گویا خاک سے آسمانوں پر لے گئیں اور پھر اپنی مہربانی سے مجھے ریاست کے دوسرے وزیر کا عہدہ دے کر میرے مرتبہ میں اضافہ کیا۔ اب میرے لئے ضروری ہے کہ اپنے دل

کی گہرائیوں سے ان کے لئے شکرگزاری ظاہر کروں اور تمام عمر ان کی اور ان کی ریاست کے مفادات کی خدمت میں وقف رکھوں۔

صدیق حسن خان صاحب نواب کا خطاب حاصل کرتے ہیں

بہر حال وہ زمانہ اس قسم کے رکھ رکھاؤ کا تھا جس میں بھوپال کی حکمران کے خاوند کے لئے یہ عہدہ کافی نہیں تھا۔ چنانچہ ضروری تھا کہ صدیق حسن خان صاحب کے مرتبہ میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ شاہجہاں بیگم نے صدیق حسن خان صاحب کے مرتبہ میں اضافہ کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ کی وساطت سے ہندوستان کے گورنر جنرل کو یہ درخواست بھجوائی کہ حکومت کی طرف سے ان کے پہلے خاوند کو جو مراعات حاصل تھیں، ان کے دوسرے خاوند کو بھی وہی مراعات حاصل ہونی ضروری ہیں اور وہ مراعات یہ تھیں۔ انہیں برطانوی حکومت کی طرف سے نواب کا خطاب دیا گیا تھا۔ انہیں گورنر جنرل کی طرف سے خلعت عطا کی گئی تھی۔ بھوپال کی ریاست کے اندر انہیں 17 توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ انگریز حکام انہیں ملنے آ سکتے تھے اور ریاست کے اعمال انہیں نذر پیش کرتے تھے۔ بعض حکام ملاقات کے وقت ان کو ملنے کے لئے آگے تک آتے تھے۔ پولیٹیکل ایجنٹ جب بھوپال کا دورہ کریں تو انہیں ملنے ان کے گھر آتے تھے۔

آج کل کے دور میں ان میں سے کئی باتیں بے معنی معلوم ہوں لیکن اس دور کے ریاستی ماحول میں یہ باتیں خاص اہمیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ مناسب غور کرنے کے بعد برطانوی حکومت نے اس بات کو منظور کرلیا کہ صدیق حسن خان صاحب کو یہ سب مراعات دی جائیں۔ چنانچہ 17 دسمبر 1872ء کو پولیٹیکل ایجنٹ اس غرض کے لئے بھوپال آئے تاکہ صدیق حسن خان صاحب کو گورنر جنرل کی طرف سے نواب والا جاہ کا خطاب اور خلعت عطا کی جائے۔ اس غرض کے لئے دربار کے ہال میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

یہ خلعت صرف کپڑے کا ٹکڑا نہیں تھا اس کی قیمت اس دور میں دس ہزار روپے تھی۔ اس وقت اچھی خاصی جائیداد کی قیمت دس ہزار روپے تک ہوتی تھی۔ اس میں ہیروں کا ایک سارس، موتیوں کا ایک ہار، ایک سونے کے کام والا چوغہ اور سونے کے کام والے دوسرے کپڑے، سونے کی ایک تلوار اور میان، ایک ہاتھی اور چاندی کا ہودہ اور اس ہاتھی کے لئے سونے کا آرائشی سامان، ایک گھوڑا، اس کا سونے کا آرائشی سامان اور سونے کے کام والی کاٹھی اور دوسرا ساز و سامان شامل تھا۔ صدیق حسن خان صاحب نے یہ ساز و سامان بھوپال کے خزانے میں جمع کرا کر اس کی قیمت خزانے سے وصول کرلی۔

(Tajul-Ikbal Tarikh Bhopal, by Nawab Shah Jahan Begum, Translated by H.C.Barstow published by Calcutta Thanker Spink & Co. 1876, p 149-159)

یہ کتاب Google Books پر موجود ہے۔

پاکستان کے سابق سیکرٹری خارجہ شہریار خان صاحب کا تعلق بھوپال کے حکمران خاندان سے ہے۔ انہوں نے بھی بھوپال کی تاریخ پر ایک کتاب Begums of Bhopal لکھی ہے۔ انہوں نے اس وقت کے حکام کی خفیہ رپورٹوں کا بھی جائزہ لیا۔ اس میں سر لیپل گریفن کا ایک میمورنڈم بھی دریافت ہوا ہے جو کہ سیکرٹری آف سٹیٹ ہنری ڈیورنڈ کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کے مطابق خود صدیق حسین خان صاحب نے انگریز حکام کو ایسی خبریں پہنچائیں کہ انگریز حکام نے خود شاہجہاں بیگم کو دوسری شادی کا مشورہ دیا۔

(The Begums of Bhopal, by Shaharyar M. Khan, published by Viva Books 2004, p124&125)

صدیق حسن خان صاحب کا عروج

بہر حال یہ مرحلہ تو گزر گیا۔ شاہجہاں بیگم نے بالآخر اپنے آپ کو ریاست کے عملی کاموں سے علیحدہ کرلیا اور نواب صدیق حسن خان صاحب ہی ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ گو کہ سرکاری طور پر افسران کے سامنے شاہجہاں بیگم یہی دعویٰ کرتی رہیں کہ وہی ریاست چلا رہی ہیں اور ان کے خاوند تو محض ان کی مدد کرتے ہیں۔ شاہجہاں بیگم کی پہلی شادی سے ایک بیٹی سلطان جہاں بیگم تھیں۔ جنہوں نے شاہجہاں بیگم کے بعد بھوپال کا حکمران بننا تھا۔ جب نواب صدیق حسن خان صاحب کا اثر و رسوخ بڑھا تو اس کے ساتھ پہلے ان کے اپنی سوتیلی بیٹی سے تعلقات کشیدہ ہوئے اور پھر رفتہ رفتہ شاہجہاں بیگم کے اپنی بیٹی سے بھی تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ 1875ء تک نواب صدیق حسن خان صاحب نے اکثر اہم عہدوں پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے تھے اور اس تبدیلی میں انہوں نے اپنے پہلے خسر منشی جمال الدین صاحب کو بھی مدارالمہام کے عہدہ سے ہٹا دیا اور ان کا رسوخ بھی کم ہوتا گیا۔

لیکن ایک مرحلہ پر نواب صدیق حسن خان صاحب اور بھوپال کے سابقہ دور کی نمایاں شخصیات کے درمیان اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ سلطان جہاں بیگم اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتی ہیں کہ بھوپال میں ایک دربار منعقد ہوا جس میں ریاست کے نمایاں رؤساء اور عہدیدار موجود تھے۔ اس میں خطاب کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھرپور انداز میں اپنی بیگم شاہجہاں بیگم کے دور حکومت اور برطانوی راج کی تعریف کی اور شاہجہاں بیگم کی والدہ سکندر بیگم کے دور حکومت کو جبر و استبداد کا دور قرار دیا۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنی بیگم کے پہلے شوہر کے خاندان پر سازشیں تیار کرنے کے الزامات لگائے اور یہ بھی الزام لگایا کہ وہ ان کی سوتیلی بیٹی کے منگیتر کو بھی اپنی سازش کے جال میں پھنسا رہے ہیں۔

(An account of My life, by Nawab Sultan Jehan Begum, published by John Murrey, Albemarley Street W. 1912, p93-94- present on Internet archives)

دسمبر 1881ء میں منشی جمال الدین صاحب کا انتقال ہوگیا۔ سلطان جہاں بیگم اپنی خودنوشت سوانح حیات میں بیان کرتی ہیں کہ انہیں اپنے آخری دنوں میں نواب صدیق حسن خان صاحب کے ہاتھوں بہت تکالیف اُٹھانی پڑی تھیں اور ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے صدیق حسن خان صاحب کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کروا کر ان کی ترقی کے راستے کھولے۔ اب مجموعی طور پر شاہجہاں بیگم امور ریاست سے تقریباً لاتعلق ہو چکی تھیں اور آہستہ آہستہ تمام اہم عہدوں پر نواب صدیق حسن خان صاحب کے مقرر کردہ اشخاص موجود تھے اور ریاست پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ان پر ریاستی معاملات میں بے جا مداخلت کرنے اور بدانتظامی کے الزامات بھی لگائے جا رہے تھے۔

براہین احمدیہ چاک کرنے کا واقعہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود نے پہلے براہین احمدیہ کے لئے مالی اعانت کے لئے تحریک فرمائی تھی تو نواب صدیق حسن خان صاحب نے جواب دیا تھا کہ اس کتاب کے دس پندرہ نسخے خرید لئے جائیں گے اور یہ وعدہ بھی نواب صدیق حسن خان صاحب کی حیثیت کے مطابق بالکل معمولی تھا۔ لیکن جب 1883ء میں انہیں براہین احمدیہ کی ایک جلد بھجوائی گئی تو انہوں کتاب چاک کر کے واپس بھجوادی کہ اس قسم کی دینی مباحثات کی کتب کی اشاعت گورنمنٹ انگلشیہ کے منشاء کے مطابق نہیں ہے، اس لئے ریاست سے کسی مدد کی توقع نہ رکھیں۔ یہ ایک انتہائی ردعمل تھا۔ ایک انسان مخالف نظریات کی کتب بھی خرید لیتا ہے اور کتاب نہیں خریدنی تھی تو نہ خریدتے اسے خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی، صرف کتاب واپس کر دینا ہی کافی تھا۔ اس بات کا جائزہ لینے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ 1883ء سے معاً قبل کیا واقعات پیش آ رہے تھے کہ یہ رویہ دکھایا گیا۔

1881ء میں نواب صدیق حسن خان صاحب کا ستارہ اپنے عروج پر تھا۔ اب ریاست بھوپال پر عملاً ان کا اقتدار تھا۔ ان کی بیگم نے تمام اختیارات ان کے ہاتھ میں دیئے ہوئے تھے۔ چونکہ نواب صدیق حسن خان صاحب صاحب علم آدمی تھے، اس لئے انہوں نے کئی کتب بھی تصنیف کی تھیں اور ان کی اشاعت ہندوستان سے باہر بھی کی گئی تھی۔ اس وجہ سے خاص طور پر اہل حدیث احباب میں ان کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان میں ایک کتاب مجموعہ خطب بھی تھی جن میں بہت سے پرانے خطبوں کو جمع کیا گیا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، جن کے نواب صاحب سے قریبی تعلقات تھے، لکھتے ہیں کہ 21 مارچ 1881ء کو انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کرنل بینر من (Bannerman) نے نواب سے کہا کہ اس میں پرانا خطبہ ایسا بھی ہے جس سے جہاد کی ترغیب ظاہر ہوتی ہے۔ اس پر نواب صاحب نے اس کتاب کے نسخے منگوا کر ان کو پولیٹیکل ایجنٹ کے سامنے چاک کرا دیا اور یوں یہ معاملہ ختم ہوگیا اور پھر جب یہ کتاب دوبارہ مصر سے شائع ہوئی تو اس میں وہ خطبہ شامل نہیں تھا۔

(اشاعۃ السنہ نمبر 1 جلد 9 ص 12)

ممکن ہے کہ یہ بھی ایک وجہ ہو کہ جب ان کو 1883ء میں براہین احمدیہ کی جلد موصول ہوئی تو انہوں نے اسے چاک کر کے واپس کر دیا اور جس معمولی سی اعانت کا وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی بجائے اس بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا۔

نواب صاحب کی مشکلات کا آغاز

وہ اپنے خیال میں اس طرح حکومت برطانیہ کی طرف سے کسی بھی شک کا امکان دور کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے کی ناراضگی مول لی اور پھر کیا واقعات وقوع پذیر ہوئے ہم ان کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ گو انہوں نے انگریز افسر کے سامنے اپنی کتب چاک تو کر دی تھیں لیکن یہ قدم بہت سے اعلیٰ افسران کو شکوک کو رفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہوا اور انہوں نے نواب صاحب کی سرگرمیوں پر نظر رکھنی شروع کر دی۔ ان اعلیٰ افسران کا خیال تھا کہ نواب صاحب لوگوں کو حکومت کے خلاف اکسا رہے ہیں۔ 1883ء میں نواب صاحب نے براہین احمدیہ کا نسخہ چاک کر کے واپس کیا تھا اور 1885ء تک صورت حال بگڑ کر یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اعلیٰ افسران کے درمیان یہ خط و کتابت پورے زور سے جاری تھی کہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف کیا قدم اُٹھایا جائے اور انہیں ان کے لقب سے محروم کیا جائے اور ان پر بغاوت پر اکسانے کا مقدمہ چلایا جائے اور اگر وہ قصور وار ثابت ہوں تو انہیں بھوپال سے نکال کر انڈیمان کے جزیرہ منتقل کر دیا جائے گا۔ Sir Lepel Griffin خاص طور پر اس بات کی تائید کر رہے

تھے کہ نواب صاحب کے خلاف سخت قدم اُٹھانا چاہیئے اور دوسری طرف وائسرائے Lord Dufferin نواب صاحب کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے ان کا خیال تھا کہ بھوپال کے شاہی خاندان کی وفاداری ثابت شدہ ہے، اس لئے شاہجہاں بیگم کے وقار کے لئے انتہائی قدم سے گریز کیا جائے۔ اورسیکرٹری آف سٹیٹ Henry Durand بھی قدرے نرمی کے حق میں تھے۔

بہرحال سوچ بچار کے بعد سرلیپل گریفن بھوپال پہنچے۔27/اگست 1885ء کو بھوپال میں لیپل گریفن نے بیگم اور درباریوں کے سامنے وہ الزامات سنائے جو کہ نواب صدیق حسن خان صاحب پر لگائے جا رہے تھے۔نواب صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔ شاہجہاں بیگم نے ان الزامات کو غلط قرار دیا۔اگلے روز سرلیپل گریفن نے نواب صدیق حسن خان صاحب اور ان کی بیگم کی موجودگی میں ان کی کتب کے وہ اقتباسات پڑھ کر سنائے جن کی بنا پر ان پر فرد جرم عائد کی جا رہی تھی۔ نواب صاحب نے یہ جواز پیش کیا کہ ان کی کتاب میں بعض خطبات غلطی سے شامل ہو گئے تھے اور دونوں میاں بیوی نے یقین دہانی کرائی کہ آئندہ سے نواب صاحب کی طرف سے ایسا کوئی مواد شائع نہیں ہوگا۔سرلیپل گریفن نے وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کہ جلد حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں فیصلہ کیا جائے گا۔

نواب صاحب کی تنزلی اور حضرت مسیح موعود کی دعا

اس مرحلہ تک حکومت کے جاسوسی نظام نے ہندوستان سے باہر سے بھی شواہد اکٹھے کر لئے تھے۔ اکتوبر 1885ء میں سرلیپل گریفن واپس بھوپال آئے۔خبر مشہور ہوگئی کہ وہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف فیصلہ سنانے آئے ہیں۔سٹیشن پر بہت سے عام لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ سرلیپل گریفن نے دربار طلب کیا۔سرلیپل گریفن دربار میں مسلح فوجیوں کے ہمراہ داخل ہوئے۔ دربار میں تناؤ کی کیفیت تھی۔درباریوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ اگر بھوپال کی بیگم کے خلاف کسی قدم کا اعلان کیا گیا تو وہ کسی انتہا تک بھی چلے جائیں گے۔اس ماحول میں لیپل گریفن نے اپنی تقریر شروع کی اور اس تقریر کے آغاز میں شاہجہان بیگم کی کئی اصطلاحات کی تعریف کی۔ اس سے تناؤ کی کیفیت ختم ہوگئی۔اور تقریر کے آخر میں انہوں نے صدیق حسن خان صاحب کے خلاف الزامات پڑھ کر سنائے اور یہ اعلان کیا کہ اب سے ان کے تمام القابات واپس لئے جاتے ہیں اور اب انہیں سلامی کا حق حاصل نہیں ہوگا اور وہ ریاست کے کسی کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔لیکن انہیں بھوپال میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی اور بھرے دربار میں نواب صدیق حسن خان صاحب کے دو خاص عہدیداروں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگائی گئیں۔ اس وقت دربار میں صدیق حسن خان صاحب بھی موجود تھے اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے تیز تیز سانس لے رہے تھے۔ریاست کا انتظام بھی عملاً شاہجہان بیگم سے لے کر حکومت کے مقرر کردہ عہدیداروں کے سپرد کیا گیا کہ جو اہم کام کیا جائے ان کے مشورہ سے کیا جائے۔

(The Begums of Bhopal, by Shaharyar M. Khan, Published by Viva Books 2004, p 130-136)

(An Account of My Life, by Nawab Sultan Jahan Begum, published By James Murray, Albemarle Street W. 1912, p 120-128, present on Internet Archives)

جب انہیں یہ ابتلاء پیش آیا تو نواب صدیق حسن خان صاحب نے عاجزی سے حضرت مسیح موعود کی خدمت دعا کے لئے خط لکھا۔چنانچہ حضرت مسیح موعود نواب صدیق حسن خان صاحب کا ذکر کر کے تحریر فرماتے ہیں:۔

''......آخر پکڑے گئے اور نواب ہونے سے معطل کئے گئے اور بڑی انکسار سے میری طرف خط لکھا کہ میں ان کے لئے دعا کروں تب میں نے اس کو قابل رحم سمجھ کر اس کے لئے دعا کی تو خداتعالیٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی۔میں نے یہ اطلاع بذریعہ خط ان کو دے دی اور کئی اور لوگوں کو بھی جو ان دنوں میں مخالف تھے یہی اطلاع دی۔ چنانچہ منجملہ ان کے حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر حال پنشنر ساکن امرتسر اور مولوی محمد حسین بٹالوی ہیں۔آخر کچھ مدت کے بعد ان کی نسبت گورنمنٹ کا حکم آ گیا کہ صدیق حسن خان کی نسبت نواب کا خطاب قائم رہے۔گویا سمجھا گیا کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ایک مذہبی پورانا خیال ہے جو ان کے دل میں تھا بغاوت کی نیت نہیں تھی''۔ (حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن 22 ص 470)

مسلمانوں کے اخبارات کا رویہ

اس بارے میں یہ تجزیہ ضروری ہے کہ جب نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف اس سزا کا اعلان کیا گیا تو اس وقت اس بارے میں کیا ردعمل سامنے آیا اور کیا اس بات کا کوئی امکان تھا کہ ان کے متعلق مزید کوئی قدم اٹھایا جائے گا جس سے ان کی عزت کو کوئی خطرہ لاحق ہوگا؟ اور پھر کیا اس مزید انتہائی قدم کا خطرہ ٹل گیا تھا۔اب جب کہ اس دور کی کئی خفیہ دستاویزات منظر عام پر آ چکی ہیں، ہم اس معاملہ میں پہلے کی نسبت بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔

اب تک تو سرلیپل گریفن ہی نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف تھے لیکن جب یہ خبریں عام ہوئی تو بہت مسلمان اخبارات بھی نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف میدان میں اُتر آئے۔ انہوں نے حکومت سے یہ مطالبہ کرنا شروع کیا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب کو پھانسی دی جائے یا پھر جلاوطن کر کے رنگون بھجوا دیا جائے۔حکومت کی طرف سے تو نواب صاحب پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسایا ہے۔مسلمان اخباروں نے ان پر یہ الزام بھی لگانے شروع کیے کہ انہوں نے بھوپال میں آٹھ یا نو آدمیوں کو قتل کرایا ہے اور ایک شخص محمد دین کے ذریعہ مہدی سوڈانی کو مدد بھجوائی ہے۔(اس وقت سوڈان میں محمد احمد نام کے ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہوا تھا)

ان حالات میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں نواب صاحب کے دفاع کا آغاز کیا۔انہوں نے لکھا کہ یہ شخص محمد دین لاہور میں گرفتار کر لیا گیا ہے اور یہ نواب صاحب کا جانی دشمن تھا۔حکومت اس شخص سے سوالات کر کے حقیقت معلوم کر سکتی ہے اور ایک شمارے میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے لکھا:

''نواب صاحب نے جنگ افغانستان میں ریاست بھوپال سے فوج بھجوائی۔ یہ بات اخباروں میں مشتہر ہو چکی ہے اور سرکاری کاغذات میں بھی موجود ہے جنگ سوڈان کے وقت مہدی سے مقابلہ کے لئے فوج و مدد دینے کو کمال خلوص سے مستعدی ظاہر کی جس پر نائب السلطنت و گورنر جنرل کی طرف سے مراسلت شکریہ کی تھیلی ریاست کے نام پہنچی''۔ (اشاعۃ السنہ نمبر 8 جلد 8 ص 225,224)

اس وقت خود مسلمان اخبارات نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف اتنے سرگرم تھے کہ باوجود اس کے کہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ انگریز افسران میں سرلیپل گریفن سب سے زیادہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے خلاف ہیں، مولوی محمد حسن بٹالوی صاحب کو یہ لکھنا پڑا۔

''...... اپنے مہربان وائسرائے لارڈ ڈفرن بالقابہ اور اپنے ملک پنجاب کے قدیم مربی سرلیپل گریفن کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ازراہ ترحم ہمارے نواب صاحب کو اس درجہ سزا تک نہیں پہنچایا جس درجہ تک ہمارے بھائیوں نے ان کا پہنچانا تجویز کیا تھا''۔

(اشاعۃ السنہ نمبر 1 جلد 9 صفحہ 1 تا 72)

خدا کی قدرت ہے کہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے دفاع میں سب سے زیادہ کوششیں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کر رہے تھے لیکن ان کو بھی ان کا دفاع کرتے ہوئے نواب صاحب کی تحریر پر اعتراض کرنے پڑے اور یہ لکھ کر ان کی تحریر پر تنقید کرنی پڑی کہ ان کی تحریر میں مختلف کتب سے نقل کر کے مواد شامل کیا گیا ہے اور ان کی تحریر میں تحقیق نہیں پائی جاتی۔ وہ لکھتے ہیں:

''......نواب صاحب کو اپنے تصانیف میں تحقیق و تدقیق کا التزام نہیں ہے صرف جمع و تالیف ان کو پیش نظر رہتی ہے۔لہٰذا وہ ہر قسم کے مسائل کو محقق ہوں یا غیر محقق مناسب و ضروری ہوں خواہ غیر مناسب و غیر ضروری اپنی کتاب میں درج کر دیتے ہیں۔ یہ امر صرف انہی مسائل میں نہیں پایا جاتا جن کو گورنمنٹ سے تعلق ہے بلکہ بعض مذہبی و علمی مسائل میں بھی ان کا یہی حال ہے''۔

(اشاعۃ السنہ نمبر 1 جلد 9 صفحہ 15)

کیا مزید ابتلاؤں کا اندیشہ تھا؟

یہ تو اخباروں میں ہونے والی مخالفت تھی۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نواب صدیق حسن خان صاحب سے نواب کا خطاب واپس لے لیا گیا تو کیا حکومت کا ایسا کوئی ارادہ تھا کہ ان کے خلاف کوئی مزید قدم اٹھائے جس سے ان کی عزت کو خطرہ لاحق ہو۔اب جو ریکارڈ شائع ہوا ہے اس میں سرلیپل گریفن اور شاہجہاں بیگم کی آخری ملاقات کی روئیداد بھی شامل ہے۔ یہ ملاقات 21 جنوری 1888ء کو بھوپال کے ایک محل ''تاج محل'' میں ہوئی تھی۔اس کے بعد سرلیپل گریفن کا تبادلہ ہو گیا تھا۔اس ملاقات میں سرلیپل گریفن نے یہ الزام لگایا تھا کہ بیگم کی طرف سے انگریز افسران کو رشوت دینے کی کوشش کی گئی ہے اور صاف کہا تھا کہ وہ گورنمنٹ میں رپورٹ کریں گے اور صدیق حسن خان صاحب کو بھوپال سے نکال دیا جائے گا لیکن شاہجہاں بیگم کو وہاں پر رہنے کی اجازت ہوگی۔

(THE BEGUMS OF BHOPAL, BY SHAHARYAR KHAN, PUBLISHED BY VIVA BOOKS 2004, P250)

اس ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1888ء تک بھی ابتدائی سزا کے بعد بات ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس بات کا واضح عندیہ دیا جا رہا تھا کہ صدیق حسن خان صاحب کے خلاف مزید اقدامات اٹھائے جائیں گے جن سے صدیق حسن خان صاحب کی عزت کو شدید خطرہ لاحق ہو گا۔ دوسری طرف حضرت مسیح موعود کو یہ الہام ہوا تھا کہ ''سرکوبی سے اس کی عزت بچائی جائے گی''۔

صدیق حسن خان صاحب اور شاہجہاں بیگم کو اس بات کا شدید قلق تھا کہ حکومت نے ان سے نواب کا خطاب واپس لے لیا ہے۔ 1885ء اور 1890ء کے درمیان شاہجہاں بیگم نے بارہا کوشش کی کہ حکومت اپنا فیصلہ واپس لے لے۔ جب بھی کسی اہم عہدے پر کوئی نیا شخص فائز ہوتا وہ اس سے ملاقات کر کے اس منسوخی کے لئے از سر نو کوشش کرتیں۔لیکن حکومتی اہل کار اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک سے ایسے بہت سے شواہد اکٹھے کر لئے جن سے صدیق

حسن خان صاحب پر لگے ہوئے الزامات کی تائید ہوتی تھی۔ یہ شواہد برما، سوڈان، یمن، ترکی وغیرہ سے جمع کئے گئے تھے۔ 1887ء میں حکومت کی طرف سے سر لیپل گریفن کو ہدایات کی گئی کہ وہ ایک مرتبہ پھر بھوپال جا کر یہ شواہد شاہجہاں بیگم اور صدیق حسن خان صاحب کے سامنے رکھیں۔ سر لیپل گریفن نے یہ شواہد انہیں سنائے لیکن شاہجہاں بیگم نے ایک مرتبہ پھر ان کی صحت سے انکار کیا۔ نئے شواہد سامنے آنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ صدیق حسن خان صاحب کے خلاف مزید اقدامات اٹھائے جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ بنی کہ سر لیپل گریفن کا تبادلہ ہو گیا اور ان کی جگہ ریذیڈنٹ کے عہدہ پر Francis Henvey مقرر ہوئے۔ صدیق حسن خان صاحب کے بارے میں نئے ریذیڈنٹ کا رویہ نسبتاً نرم تھا۔ انہوں نے لکھا کہ صدیق حسن خان صاحب کی تحریر نظریاتی نوعیت کی تھیں اور ان کی بغاوت کی نیت نہیں تھی۔

صدیق حسن خان صاحب کا انتقال اور خطاب کی بحالی

ایک طرف تو یہ کوششیں جاری تھیں کہ کسی طرح حکومت صدیق حسن خان صاحب کا خطاب بحال کر دے اور ان کے خلاف مزید کارروائی نہ کی جائے اور دوسری طرف صدیق حسن خان صاحب کی بیماری شدت اختیار کر رہی تھی۔ 1890ء تک یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ان کی زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ان کو جگر کی بیماری تھی۔ 26 مئی 1890 کو ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد بھی شاہجہاں بیگم نے ان کے خلاف اقدامات واپس لینے کی کاوشیں جاری رکھیں۔ وائسرائے نے صدیق حسن خان صاحب کی وفات کے کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان کا نواب کا خطاب دوبارہ بحال کر دیا جائے اور ریاستی اقتدار بھی مکمل طور پر شاہجہاں بیگم کو بحال کر دیا گیا۔

(THE BEGUMS OF BHOPAL,
BY SHAHARYAR KHAN,
PUBLISHED BY VIVA BOOKS
2004, P241-242)

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے صحاح ستہ کا اردو میں ترجمہ کرایا تھا اور انہوں نے یمن سے حدیث کا ایک عالم منگوایا تھا اور صحیح بخاری کا درس جاری کروایا تھا اور لوگوں میں حدیث کا علم رائج کرنے کے لئے اس درس میں شریک ہونے والوں کو بارہ چودہ روپے ماہوار ملا کرتے تھے۔ ان کے بیٹے اور منشی جمال الدین صاحب کے نواسے نور الحسن صاحب کا ایک وسیع کتب خانہ بھی تھا اور 1899ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے بعض نادر کتب یہاں سے نقل کرنے کے لئے حضرت مولوی غلام نبی صاحب کو بھوپال بھجوایا تھا۔ (حیات نور ص 241)

LOVE FOR ALL

صبر ہے ظلم و ستم کی ڈھال
جوش میں اپنے ہوش سنبھال
لو فار آل، لو فار آل
لو فار آل، لو فار آل

گورا کالا رنگ نہ دیکھ ذات پات کے سنگ نہ دیکھ
یکساں ہیں انسان سبھی اونچ نیچ کے ڈھنگ نہ دیکھ
اک آدم کی سب ہیں آل
لو فار آل، لو فار آل

گالیاں سن کے دعائیں دے اور بھرپور وفائیں دے
آیا ہے موعود مسیح چاروں سمت صدائیں دے
ماضی سے ہے بڑھ کر حال
لو فار آل، لو فار آل

پیار سے دنیا رام ہوئی نفرت زیر دام ہوئی
کندن بن کر چمکے ہم مشق ستم ناکام ہوئی
ہم نے دکھایا ایک کمال
لو فار آل، لو فار آل

تیری مہما گیتا گائے متریا گوتم کی یہ رائے
کہت کبیر سنو بھئی نانک پریم کی مرلی رام بجائے
جے جے اے روز گوپال
لو فار آل، لو فار آل

رنج و غم و آلام کے دن کٹ گئے غم کی شام کے دن
تیرے جیتے جی آئیں گے غلبہ ایمان کے دن
ابھی سے کر لے استقبال
لو فار آل، لو فار آل

ہم نے دیکھا اسم اعظم دنیا پر ہے دین مقدم
ہر مذہب یہ درس سکھائے بھائی بھائی ابن آدم
بھائیوں میں رنجش نہ ڈال
لو فار آل، لو فار آل

ابن آدم

آپ ہمارے پڑوسی ہیں

قادیان میں ایک صاحب ڈاکٹر گوربخش سنگھ تھے۔ وہ جماعت سے عناد رکھتے تھے اور سلسلہ کی برملا مخالفت کیا کرتے تھے بلکہ سرخیل معاندین تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ

''میری بھانجی ایف۔اے میں تعلیم پاتی تھی اور اس نے فلاسفی کا مضمون لیا ہوا تھا۔ اس مضمون میں وہ کمزور تھی قادیان میں سوائے احمدیہ جماعت کے افراد کے اور کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مکرم عبدالسلام صاحب اختر فلاسفی میں ایم۔اے ہیں میرے ان کے والد ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی سے اچھے مراسم تھے۔ چنانچہ میں ان کے پاس حاضر ہوا اور اپنی بھانجی کے لئے عبدالسلام صاحب کو ٹیوشن پڑھانے کی اجازت دینے کی درخواست کی۔ ماسٹر صاحب فرمانے لگے میرا بیٹا عبدالسلام واقف زندگی ہے اور اس کے وقت کا ایک ایک منٹ حضرت صاحب کے تحت حکم ہے۔ اگر حضرت صاحب اجازت دے دیں تو وہ بخوشی یہ خدمت بجا لا سکتا ہے۔ ان دنوں میں میں نے حضرت صاحب اور جماعت کے خلاف کچھ مقدمات کئے ہوئے تھے اور میرے تعلقات حضور کے ساتھ کشیدہ تھے۔ لہٰذا میں حضرت صاحب کی خدمت میں مکرم عبدالسلام صاحب کو اجازت دینے کے لئے کہنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن جب پڑھانے کا کوئی اور انتظام نہ ہو سکا تو مجبوراً میں نے حضور کی خدمت میں اپنی غرض کے لئے ایک رقعہ لکھا۔ حضور نے اس پر بخوشی عبدالسلام صاحب کو جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مکرم عبدالسلام صاحب کئی ماہ تک میری بھانجی کو پڑھاتے رہے۔ میں نے ان کو ٹیوشن فیس دینا چاہی لیکن انہوں نے کہا کہ میں حضرت صاحب کے حکم کے ماتحت بطور ڈیوٹی پڑھا رہا ہوں اس کا معاوضہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ نتیجہ نکلنے پر یہ لڑکی بہت اچھے نمبروں میں پاس ہوئی اور میں ایک تھال میں مٹھائی اور مبلغ دس روپے لے کر عبدالسلام صاحب کے گھر پہنچا۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ مٹھائی اور روپے نہیں لے سکتا۔ اگر آپ چاہیں تو حضرت صاحب کے پاس لے جائیں۔ میں نے وہ مٹھائی حضور کی خدمت میں بھجوائی۔ حضور نے بچی کو مبارکباد دی اور فرمایا کہ آپ ہمارے پڑوسی ہیں۔ میں نے جو بچی کی پڑھائی کا انتظام کیا ہے وہ کسی معاوضے کے لئے نہیں تھا۔ حضور نے مٹھائی دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ذریعہ تقسیم کرا دی اور رقم مجھے واپس کر دی''۔

(الفضل 17 فروری 2004ء)